سوانح حضرت حذیفہؓ بن الیمان، حضرت جابرؓ بن عبداللہ، حضرت سلمان فارسیؓ
غوث الاعظم حضرت شیخ عبدالقادر جیلانی رحمۃ اللہ علیہ

مشاہداتِ
بلادِ اسلامیہ

محمودہ عثمان حیدر

ادارہ علمِ مجلسی
۵۔ ستنام ہاؤس
گرانٹ روڈ۔ کراچی ۱

سید سجاد حیدر یلدرم کے خاندان کو دیکھ کر یہی کہنا پڑتا ہے کہ این همه خانه آفتاب است۔ بیگم محمودہ عثمان حیدر، یلدرم



بیگم محمودہ اور ان کے شوہر سید عثمان حیدر

کی حقیقی چچازاد بہن ہیں۔ ۱۹۰۸ء میں انہوں نے بمقام نہٹور، ضلع بجنور حکیم سید غلام حیدر صاحب کے گھرانہ میں آنکھیں کھولیں۔ ۱۹۲۶ء میں آن کی شادی یلدرم صاحب کے حقیقی بھانجے سید عثمان حیدر سے ہوئی۔ اپنے شوہر کی معیت میں آن کی ملازمت کے سلسلہ میں انہوں نے چھ سال مشرق وسطیٰ کا دورہ کیا اور اپنا سفرنامہ مرتب کیا

دوسری بار: ــــــــ ستمبر ۱۹۶۲ء

قیمت: ــــــــ دو روپے پچاس پیسے

مطبوعہ: ــــــــ مشہور آفسٹ پریس کراچی

کتابت: ــــــــ انوری بیگم دہلوی

ناشر

ادارۂ علم مجلسی

ادارۂ علم مجلسی کے متعلق تمام متنازعہ فیہ امور کی سماعت کا حق صرف کراچی کی عدالت کو ہوگا۔

مشتاق بک ڈپو
نزد اردو کالج شلڈن روڈ کراچی نمبر۱

تعارف

مشاہداتِ بلادِ اسلامیہ

اُردو زبان میں اچھے سفرنامے اُنگلیوں پر ہی گنے جا سکتے ہیں حالانکہ سفرنامے علمی وتاریخی اعتبار سے بڑی اہمیت کے حامل ہوتے ہیں۔ ان سے ہمیں ایک خاص دور میں ایک خاص ملک کے مختلف النوع مسائل سے واقفیت ہوتی ہے جو آئندہ ریسرچ کرنے والوں کی رہنمائی کا باعث بنتے ہیں۔ لیکن یہ جب ہی ممکن ہوسکتا ہے جب سفرنامہ لکھنے والا انتہائی خلوص سے اپنے تمام تجربات میں اپنے قارئین کو بھی شریک کرے۔

محترمہ محمودہ عثمان حیدر نے سنہ ۱۹۲۸ء سے سنہ ۱۹۳۳ء تک کا چھ سال کا عرصہ اپنے شوہر محترم جناب سید عثمان حیدر کے ہمراہ مشرق وسطیٰ میں گذارا تھا۔ اس وقت ترکی میں اتاترک، عراق میں شاہ فیصل اول اور ایران میں رضا شاہ پہلوی بمقتضائے زمانہ وسیع اصلاحات میں مصروف تھے۔ خلوص نیت کے باوجود ایسے معاملات میں افراط وتفریط ہو ہی جاتی ہے۔ دُنیائے اسلام کے لئے یہ بڑا نازک دور تھا اور اسلامی ممالک قدیم و جدید کے دوراہے پر کھڑے عجب کشمکش میں مبتلا تھے۔ اُس وقت مادیت اور روحانیت، مغربیت اور مشرقیت، کفر و اسلام کم و بیش ہر شعبۂ حیات میں برسرِ پیکار تھے۔

زیرِ نظر سفرنامہ مشاہداتِ بلادِ اسلامیہ آج سے ۴۸ سال قبل لکھا گیا تھا۔

آبادان سے بغداد تک

ڈھائی سال قیام کے بعد ۲۱ر جنوری ۳۳ء کو ٹھیک دن کے بارہ بجے ہم لوگ سرزمین ایران سے عراق کی طرف روانہ ہوئے۔ تمام سامان وغیرہ صبح لیڈی کرزن جہاز سے بصرہ روانہ کر دیا تھا۔ ہم دوپہر کو کبوتر نامی موٹر لانچ پر آبادان سے روانہ ہو کر چند منٹ میں ملک عراق جا اترے۔

آبادان سے روانگی کا منظر یاد رہے گا۔ خدا حافظ کے نعرے اب تک میرے کانوں میں گونج رہے ہیں۔ سیبا میں عراقی کسٹم وغیرہ کے معائنہ سے فارغ ہو کر ہم بصرہ کے لئے موٹر میں سوار ہوئے تھے۔ کہ اچانک عثمان صاحب کے ایک یہودی دوست سلیم آفندی بے تحاشا بھاگتے ہوئے آئے۔ اور ہم دونوں کو زبردستی قریب ہی ایک ہوٹل

بیسویں صدی میں دو جلیل القدر

صحابہؓ کی زیارت

سلمانِ پاک بغداد سے ۲۰ میل کے فاصلے پر ہے۔ یہاں تک موٹر
یں آتے جاتے ہیں۔ اب تو یہ کوئی پانسو گھروں کی چھوٹی سی بستی ہے۔
یہ وہ مقدس مقام ہے جہاں اکثر صحابہؓ گورنر کی حیثیت سے رہ چکے
ہیں۔ اس کا قدیمی نام مدائن تھا اور مدتوں عراق عجم کا دارالسلطنت رہ
چکا تھا۔ یہ ایک آباد اور بھرا پڑا شہر تھا۔ اس زمانہ میں بغداد محض ایک
چھوٹی سی بستی تھی۔ یہ وہی مدائن ہے جو دجلہ کے مغربی کنارے پر آباد
تھا اور جب دورِ فاروقی میں حضرت سعد بن ابی وقاص کی فوجیں دجلہ
کے دائیں کنارے پر واقع ہر شہر میں پہنچیں (جو دراصل مدائن کا دایاں

حصہ تھا، تو اُس وقت دجلہ کو عبور کر کے مدائن پر حملہ آور ہونے کا سوال پیدا ہوا۔ معلوم ہوا کہ یزدگرد کے حکم سے پُل کو جلا دیا گیا ہے اور ایرانی محافظ کشتیوں میں سوار ہو کر مدائن کو فرار ہو گئے ہیں تاکہ دجلہ کا چوڑا چکلا پاٹ اور تیز و تند موجیں ایک قدرتی قلعہ کا کام دیں۔ مجبوراً غازیانِ اسلام دجلہ کے کنارے پر آ کر کھڑے ہو گئے۔ مدائن کا عظیم الشان شہر اپنے تمام جلال و جمال ان کی نگاہوں کے سامنے تھا، جس وقت یہ وہاں پہنچے نصف شب گذر چکی تھی۔ بیچ میں دجلہ کی تیز و تند موجیں ان کی راہ روکے کھڑی تھیں اور سامنے دوسرے کنارے پر نوشیرواں کا قلعۂ سپید رات کے چھٹتے اندھیرے میں دعوتِ نظارہ دے رہا تھا۔ بادیہ نشینانِ عرب نے ایسی بلند اور عظیم الشان عمارت آج سے قبل نہ دیکھی تھی۔ مارے حیرت کے ان کی آنکھیں پھٹی کی پھٹی رہ گئیں اور منہ کھلے کے کھلے رہ گئے۔

غرض یہ کہ کافی تردد اور سوچ بچار کے بعد حضرت سعدؓ نے اللہ کی نصرت اور اس کی تائید پر پورا پورا بھروسہ کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ سے دعا کی اور پھر مع لشکر دجلہ میں اُتر گئے۔ دریا کا پاٹ غازیانِ اسلام سے کھچا کھچ بھر گیا۔ دریا میں حدِ نظر تک آدمی اور گھوڑے نظر آ رہے تھے۔ پانی ان کے قدموں میں دکھائی نہ دیتا تھا۔ اور پھر وہ سب

پانی میں اس طرح آپس میں باتیں کرتے جاتے تھے جس طرح خشکی میں۔

دریا میں حضرت سعدؓ کے ہمراہ حضرت سلمانؓ فارسی بھی تھے۔

حضرت سعدؓ نے کہا کہ

"خدا کی قسم! اللہ اپنے دین کو یقیناً غالب کرے گا اور اپنے دشمنوں کو شکستِ فاش دے گا بشرطیکہ لشکر میں کوئی ایسا گناہ نہ ہو جو نیکیوں کو ضائع کر ڈالے۔"

حضرت سلمانؓ فارسی نے جواب دیا کہ

"خدا کی قسم! مسلمانوں کے لئے زمین کی طرح دریا بھی پامال کر دیئے گئے ہیں۔ قسم ہے اُس ذات کی جس کے ہاتھ میں سلمان کی جان ہے کہ جس طرح وہ دریا میں اُترے ہیں اُسی طرح بخیر و عافیت دریا سے پار ہوں گے۔"

اور ایسا ہی ہوا۔

تمام لشکرِ اسلام صحیح سلامت دریا سے پار ہو گیا۔ ایرانیوں نے ایسا نظارہ کب دیکھا تھا۔ وہ یہ دیکھ کر ششدر رہ گئے۔

دیواں آمدند۔ دیواں آمدند (دیو آگئے، دیو آگئے) چلّاتے ہوئے فرار ہو گئے۔

اور مدائن پر مسلمانوں کو تسلط حاصل ہو گیا۔

ہاں تو مدائن کا یہی تاریخی شہر گھٹتے گھٹتے اب ایک چھوٹا سا قصبہ رہ گیا ہے۔ نوشیرواں عادل کے محلات کے آثار جس میں طاق کسریٰ شامل ہے دیکھنے کے لئے اکثر دور دراز ممالک سے سیاح آتے رہتے ہیں۔ یہاں چند قہوہ خانے بھی ہیں اور ایک شاندار مقبرہ بھی ہے جس میں زیر گنبد حضرت سلمانؓ فارسی کا مزار ہے۔ اور دو ملحق جدید طرز کے بنے ہوئے کمروں میں علیحدہ علیحدہ حذیفہ الیمانیؓ اور جابرؓ بن عبداللہ انصاری، صحابۂ رسولؐ کے مزارات ہیں۔ دائیں طرف قدرے فاصلہ پر دریائے دجلہ عجب شان سے بہہ رہا ہے۔

مذکورہ بالا صحابہ کرام کے مزارات شاہ فیصل اول کے دور میں ان کی دوبارہ تدفین کے بعد بنوائے گئے ہیں۔ پہلے یہ دونوں سلمان پاک سے دو فرلانگ کے فاصلہ پر ایک غیر آباد جگہ پر دفن تھے۔ شاید ہی کبھی کبھار کوئی فاتحہ پڑھنے چلا جاتا تو چلا جاتا۔ البتہ اتنا لوگوں کو معلوم تھا کہ یہ دو صحابہ کے مزار ہیں ورنہ وہاں جانے اور فاتحہ پڑھنے پر کوئی اہمیت نہیں دی جاتی تھی۔ اگر کسی کا بہت جی چاہا تو اس نے سلمانِ پاک سے ہی فاتحہ خوانی کر دی ورنہ اللہ اللہ خیر صلّا۔ مگر ہماری خوش قسمتی سے ہمارے قیام بغداد میں ان دونوں کو پرانے مزارات سے نکال کر مقبرۂ سلمانؓ پاک میں دفن کیا گیا۔

یہ واقعہ آج دنیا میں صداقتِ اسلام کی زندہ مثال ہے جس کی تصدیق کے لیے نہ صرف ہم دو بلکہ لاکھوں آدمی جو اس وقت حاضر تھے موجود ہیں۔

واقعہ یوں ہے کہ حضرت حذیفہ الیمانیؓ نے خواب میں ملک فیصل، شاہ عراق سے خواہش ظاہر کی کہ ہم دونوں کو اصل مقام سے منتقل کر کے دریائے دجلہ سے ذرا فاصلہ پہ دفن کر دیا جائے کیونکہ میرے مزار میں پانی اور (حضرت) جابرؓ بن عبداللہ کے مزار میں نمی آنی شروع ہو گئی ہے۔

امورِ سلطنت میں انہماک کے باعث ملک فیصل دن کے وقت یہ خواب قطعی بھول گئے۔

دوسری شب انھیں پھر ارشاد ہوا اور اگلی صبح وہ پھر بھول گئے۔

تیسری شب حضرت حذیفہ الیمانیؓ نے عراق کے مفتی اعظم کو خواب میں اسی غرض سے ہدایت کی۔ نیز فرمایا کہ ہم دو راتوں سے بادشاہ سے برابر کہہ رہے ہیں لیکن وہ مصروفیت کی بنا پر بھول جاتا ہے۔ اب یہ تمھارا فرض ہے کہ اسے اس طرف متوجہ کراؤ۔ اُس سے کہکر ہمیں موجودہ قبروں سے منتقل کرانے کا فوری بندوبست کراؤ۔

چنانچہ مفتی اعظم نے اگلے روز صبح ہی صبح نوری السعید پاشا کو جو اس زمانہ میں وزیر اعظم تھے فون کیا کہ میں آپ سے ملنا چاہتا ہوں۔

غرض یہ کہ نوری السعید سے ملاقات ہوئی اور انھوں نے تمام ماجرا نوری السعید کو سنایا۔ نوری السعید نے بادشاہ سے اُن کی ملاقات کا فوری بندوبست کیا۔ خود بھی ہمراہ گئے۔ مفتی صاحب نے اپنا خواب بیان کیا تو بادشاہ نے کہا کہ بے شک میں نے دو راتوں کو متواتر اُنھیں خواب میں دیکھا ہے اور ہر بار اُنھوں نے مجھے بھی یہی حکم دیا ہے اور تو اور میں نے گذشتہ شب بھی انھیں خواب میں دیکھا ہے۔ میں حیران تھا کہ یہ کس قسم کا خواب ہے لیکن چونکہ اب اس غرض سے آپ بھی تشریف لے آئے ہیں تو یہ بہت اچھا ہوا۔ اب آپ ہی بتائیں کہ کیا کرنا چاہیے۔

مفتیٔ اعظم نے کہا کہ وہ صاف الفاظ میں کہہ رہے ہیں کہ ہم دونوں کو وہاں سے نکال کر دریا سے ذرا فاصلہ پر کہیں دفن کردو اب اس سے زیادہ واضح بات اور کیا ہو سکتی ہے؟

شاہ فیصل نے کہا کہ میرا خیال ہے بطور احتیاط پہلے اس کی تصدیق کرالی جائے کہ آیا دریا کا پانی اس طرف آ بھی رہا ہے یا نہیں؟

مفتیٔ اعظم اس پر رضامند ہو گئے۔

چنانچہ عراق کے محکمۂ تعمیراتِ عامہ کے چیف انجنیر کو شاہی فرمان جاری ہوا کہ مزارات سے دریا کے رُخ پر ۲۰ فٹ کے فاصلہ پر بورنگ کرا کے معلوم کیا جائے کہ آیا دریا کا پانی اس طرف رِس رِس کر آ رہا ہے

یا نہیں، اور شام تک رپورٹ پیش کر دی جائے۔ چنانچہ تمام دن جگہ جگہ کھدائی کی گئی لیکن پانی تو در کنار، کافی نیچے سے جو مٹی نکلی اس میں نمی تک نہیں تھی۔ مفتیٔ اعظم تمام دن وہیں خود موجود رہے اور تمام کارروائی بذاتِ خود دیکھتے رہے۔

غرض یہ کہ انہیں بڑی مایوسی ہوئی۔ شام کو بادشاہ کو اطلاع دیدی گئی۔

اس رات حضرت حذیفہ الیمانی نے پھر خواب میں بادشاہ کو تاکید کی کہ ہمیں ہٹاؤ۔ جلدی کرو۔ دریا کا پانی ہمارے مزارات میں جمع ہونا شروع ہو گیا ہے۔ بادشاہ کو چونکہ رپورٹ مل ہی چکی تھی۔ اس نے کہا کہ یہ محض خواب ہے اس میں کوئی حقیقت نہیں۔ چنانچہ اس نے اس بار پھر اس خواب کو نظر انداز کر دیا۔ اگلے روز حضرت حذیفہ الیمانی مفتیٔ اعظم صاحب کے خواب میں تشریف لائے اور ان سے بھی وہی کہا اور سختی سے کہا کہ ہم کہہ رہے ہیں کہ ہمیں یہاں سے جلد از جلد منتقل کرو۔ پانی ہے کہ ہمارے مزارات میں گھستا چلا آ رہا ہے۔ مفتیٔ اعظم صاحب صبح ہی صبح ہراساں پریشاں قصرِ شاہی پر پہنچے اور بادشاہ کو پھر اپنے خواب سے مطلع کیا۔

بادشاہ جھلا اٹھا۔ اس نے کہا کہ مولینا! آپ خود ہی سوچئے کہ میں کیا کر سکتا ہوں؟ آپ خود ہی وہاں تمام دن رہے اور کارروائی بھی ساری

آپ کے ہی سامنے ہوتی رہی۔ ماہرینِ ارضیات کی رپورٹ بھی آچکی ہے کہ پانی تو در کنار وہاں نمی بھی نہیں ہے۔ چنانچہ اب مجھے پریشان کرنے سے اور خود پریشان ہونے سے کیا فائدہ؟ جائیے، آرام کیجیے۔ مفتیِ اعظم نے کہا کہ بے شک ساری کارروائی میرے سامنے ہوئی اور جو رپورٹ آئی وہ بھی میرے علم میں ہے۔ لیکن آپ کو اور مجھے متواتر حکم ہو رہا ہے اب خواہ کچھ بھی کیوں نہ ہو آپ مزارات کھلوا دیجیے۔

شاہِ عراق نے کہا کہ بہت اچھا۔ آپ فتویٰ دیدیں۔

مفتیِ اعظم نے صحابہ کرام کے مزارات کو کھولنے کا اور انھیں وہاں سے منتقل کرنے کا وہیں بیٹھے بیٹھے فتوے دیدیا۔ چنانچہ یہ فتوے اور شاہِ عراق کا فرمان اخبارات میں شائع کر دیا گیا کہ بروز عید قرباں بعد نمازِ ظہر ان محترم صحابہ کرام کے مزارات کھولے جائیں گے۔

اخبارات میں فتوٰی اور فرمان کا چھپنا تھا کہ تمام دنیائے اسلام میں جوش و خروش پھیل گیا۔ رائٹر اور دیگر خبر رساں ایجنسیوں نے اِس خبر کی تمام دنیا میں تشہیر کر دی۔ حج کے موقع پر تمام دنیا کے مسلمان مکہ معظمہ آئے ہوئے تھے۔ اُنھوں نے خواہش ظاہر کی کہ مزارات عید قرباں سے کچھ روز بعد کھولے جائیں تاکہ ہم بھی شرکت کر سکیں۔ اُدھر ایران، ترکی، مصر، شام، لبنان، فلسطین، حجاز، بلغاریہ، شمالی افریقہ،

روس، ہندوستان وغیرہ وغیرہ ممالک سے شاہِ عراق کے نام تاروں کا لاانتہا ہی سلسلہ شروع ہو گیا کہ ہم جنازوں میں شرکت کرنا چاہتے ہیں. براہِ کرم کچھ روز کی مہلت دیجئے۔

ایک طرف تمام دنیائے اسلام کا پیہم اصرار اور دوسری طرف خوابوں میں عجلت کی تاکید۔ سوال یہ پیدا ہوا کہ اگر پانی مزارات میں واقعی رس رہا ہے تو اس رسم کو ملتوی کرنے سے مزارات کو نقصان نہ پہنچ جائے۔ چنانچہ مفتیِ اعظم کے مشورہ سے دریا کے رُخ پر ۱۰ فٹ کے فاصلہ پر احتیاطاً ایک طویل اور گہری خندق کھُدوا کر سیمنٹ اور بجری بھروا دی گئی۔

ساتھ ہی دوسرا فرمان جاری ہوا جس میں کہا گیا کہ مسلمانانِ عالم کی خواہش پر اب یہ رسم عیدِ قرباں کے دس روز بعد ادا ہو گی۔ مدائن جیسا چھوٹا سا کم آباد قصبہ اُن دنوں دس روز کے اندر ہی اندر آبادی اور رونق کے لحاظ سے دوسرا بغداد بن گیا۔ بستی کے تمام مہمان نواز گھر مہمانوں سے اور مسلمانوں سے کھچا کھچ بھر گئے۔ گلیاں، کوچوں، بازاروں میں ہجوم کی یہ کثرت تھی کہ کھوے سے کھوا چھلتا تھا۔ میدان، صحرا دور دور تک ڈیرے خیموں سے پٹ گئے۔ جگہ جگہ سفری قہوہ خانے، ہوٹل، سرائے وغیرہ قائم ہو گئے۔ شاہی لنگر خانہ ان پر مستزاد تھا۔

اس موقع پر حکومت عراق نے خاص طور پر کسٹم اور روپیہ پیسہ کی تمام پابندیاں ختم کر دیں۔ حتیٰ کہ پاسپورٹ کی بھی قید نہ باقی رکھی۔ شاہی فرمان کے ذریعہ یہ عام اعلان کر دیا گیا تھا کہ باہر سے آنے والے اپنے متعلقہ ممالک کا محض اجازت نامہ لے آئیں۔ پھر بھی مدائن میں آنے والوں میں حجاج کی کثرت تھی جن کے پاس باقاعدہ پاسپورٹ تھے۔

ان کے علاوہ ترکی اور مصر سے اس موقعہ پر خاص سرکاری وفود آئے۔ نیز صحابہ کرام کو سلامی دینے کی غرض سے اُن کے ساتھ اپنے اپنے ملکوں کا سرکاری بینڈ آیا۔ مصطفےٰ کمال اور جمہوریہ ترکی کی نمائندگی ایک وزیر مختار نے کی۔ مصری وفد میں علماء اور وزرا کے علاوہ سابق شاہ فاروق والیٔ مصر نے (جو اُس وقت ولی عہد تھے) بطور رئیسِ وفد شرکت کی۔

دونوں مزارات کے گرد کافی گہری اور دور تک پہلے ہی کھدائی کرالی گئی تھی اور ایک طرف سے مزارات کی طرف ڈھلان رکھ دی گئی تھی۔ تاکہ کرین کا پھل (جو پھاوڑے کے پھل سے مشابہ تھا) ڈھلان کی طرف آکر مزار کے فرش کو کاٹتا ہوا نعش ہائے مبارک کو زمین پر سے اُٹھالے۔ کرین کے پھل پر اسٹریچر پہلے ہی کس دیا گیا تھا تاکہ

نعش ہائے مبارک کو تابوت میں رکھنے میں سہولت رہے۔

غرض یہ کہ ان دس دنوں میں جن جن خوش نصیب لوگوں کی قسمت میں ان بزرگوں کی زیارت لکھی تھی وہ سلمان پاک پہنچ چکے تھے۔ بغداد ایک بار پھر اُجڑ گیا۔ مدائن ایک بار پھر آباد ہو گیا۔ اس موقعہ پر انتہائی محتاط اندازہ کے مطابق پانچ لاکھ اشخاص نے شرکت کی جن میں ہر ملک، ہر مذہب، ہر فرقہ اور ہر عقیدہ کے لوگ شامل تھے۔

آخر کار وہ دن بھی آگیا جس کی آرزو میں لوگ جوق در جوق سلمان پاک میں جمع ہو گئے تھے۔ دو شنبہ کے دن ۱۲ بجے کے بعد لاکھوں نفوس کی موجودگی میں مزارات کھولے گئے تو معلوم ہوا کہ حضرت حذیفہ الیمانیؓ کے مزار میں کچھ پانی آچکا تھا اور حضرت جابرؓ کے مزار میں نمی پیدا ہو چلی تھی حالانکہ دریائے دجلہ وہاں سے کم از کم دو فرلانگ دور تھا۔ تمام سفرائے دول، عراق کی پارلیمنٹ کے تمام ممبران اور اعلیٰ حضرت شاہ فیصل کی موجودگی میں پہلے حضرت حذیفہ الیمانیؓ کی نعش مبارک کو کرین کے ذریعہ زمین سے اس طرح اوپر اُٹھایا گیا کہ ان کی نعش کرین پر نصب کیے ہوئے اسٹریچر پر خود بخود آگئی۔ اب کرین سے اسٹریچر کو علیحدہ کر کے ہز میجسٹی شاہ فیصل، مفتیٔ اعظم عراق۔ وزیر مختار جمہوریہ ترکی اور پرنس فاروق ولی عہد مصر نے

کندھا دیا اور بڑے احترام سے ایک شیشے کے تابوت میں رکھ دیا۔ پھر اسی طرح حضرت جابرؓ کی نعشِ مبارک کو مزار سے باہر نکالا گیا۔

نعش ہائے مبارک کا کفن حتٰی کہ ریش ہائے مبارک کے بال تک بالکل صحیح حالت میں تھے۔ لاشوں کو دیکھکر یہ اندازہ ہرگز نہیں ہوتا تھا کہ یہ تیرہ سو سال قبل کی نعشیں ہیں بلکہ گمان یہ ہوتا تھا کہ شاید انھیں رحلت فرمائے دو تین گھنٹے سے زائد وقت نہیں گزرا۔ سب سے عجیب بات تو یہ تھی کہ ان دونوں کی آنکھیں کھُلی ہوئی تھیں اور ان میں اتنی پُر اسرار چمک تھی کہ بہتوں نے چاہا کہ اُن کی آنکھوں میں آنکھیں ڈال کر دیکھیں۔ لیکن اُن کی نظریں اس چمک کے سامنے ٹھہرتی ہی نہ تھیں — ٹھہر بھی کیسے سکتی تھیں ؟

بڑے بڑے ڈاکٹر یہ دیکھکر دنگ رہ گئے۔ ایک جرمن ماہرِ چشم جو بین الاقوامی شہرت کا مالک تھا۔ اس تمام کارروائی میں بڑی دلچسپی لے رہا تھا۔ اُس نے جو یہ دیکھا تو بس دیکھتا ہی رہ گیا وہ اس منظر سے کچھ اتنا بے اختیار ہوا کہ ابھی نعش ہائے مبارک تابوتوں میں ہی رکھی گئی تھیں کہ آگے بڑھ کر مفتیٔ اعظم کا ہاتھ پکڑ لیا۔ اور کہا کہ آپ کے مذہب اسلام کی حقانیت اور ان صحابہؓ کی بزرگی کا اس سے بڑھ کر اور کیا ثبوت ہو سکتا ہے۔ لائیے مفتیٔ اعظم ہاتھ بڑھائیے۔ میں

مسلمان ہوتا ہوں۔ لا الہ الا اللہ محمد الرسول اللہ۔

غرض یہ کہ لاشوں کو نکال کر شیشے کے بنے ہوئے خوبصورت تابوتوں میں رکھا گیا۔ رونمائی کی غرض سے چہروں پر سے کفن ہٹا دیا گیا۔

عراقی فوج نے باقاعدہ سلامی اُتاری۔ توپیں سر ہوئیں۔ اس کے بعد مجمع نے نماز جنازہ پڑھی۔ بادشاہوں اور علماء کے کندھوں پر تابوت اُٹھے۔ چند قدم کے بعد سفرائے دول نے کندھا دیا۔ پھر اعلیٰ حکام کو یہ شرف عطا ہوا۔ اس کے بعد ہر شخص جو وہاں موجود تھا اس سعادت سے مشرف ہوا۔ اس موقعہ پر ایک جرمن فلم ساز کمپنی نے کمال کیا۔ کمال کیا کیا بلکہ دور دراز سے آئے ہوئے مشتاقانِ دیدار پر احسان کیا کہ اس نے شاہ عراق کی منظوری سے اپنے خرچ پر عین مزارات کے اوپر دو سو فٹ بلند فولاد کے چار کھمبوں پر کوئی تیس فٹ لمبا اور ۲۰ فٹ چوڑا ٹیلی وثیرن کا اسکرین لگا دیا۔ پھر اسی پر اکتفا نہیں کیا گیا بلکہ کھمبوں کے چاروں طرف بھی چھت سے ملحق چار اسکرین لگا دیئے گئے۔ اس سے یہ فائدہ ہوا کہ ہر کوئی اپنی جگہ کھڑے ہو کر یا بیٹھکر مزارات کے کھلنے کے وقت سے آخر وقت تک تمام کارروائی دیکھتا رہا۔ زیارت کے جوش میں کوئی ریل پیل نہیں ہوئی اور اس

طرح ہزاروں لوگ اس ہڑبونگ میں پس کر مرنے سے بچ گئے۔
اور مردوں عورتوں اور بچوں نے نہایت اطمینان سے پوری کارروائی دیکھی۔

جس وقت یہ مقدس جنازے پورے احترام کے ساتھ لے جائے جا رہے تھے۔ ہوائی جہازوں نے غوطے لگا لگا کر سلامی اُتاری اور ان پر پھول برسائے۔ جب مرد کندھا دے چکے تو عورتوں کو شرفِ دیدار سے نوازا گیا۔ عورتوں نے جگہ جگہ ان دونوں کے تابوتوں پر منوں پھولوں کی بارش کی۔ اس غرض سے راستہ میں کئی بار تابوت رُکوائے گئے۔ غرض یہ کہ اس شان سے چار گھنٹے بعد جب دونوں تابوت مقبرہ سلمان پاک پر پہنچے تو اعلیٰ فوجی حکام نے پہلے گارڈ آف آنر پیش کیا۔ اس کے بعد سفرائے دول نے پھول نچھاور کیے۔ اور پھر ان ہی اعلیٰ ہستیوں نے جنھوں نے ان مقدس لاشوں کو سب سے پہلے کرین پر سے اُتارا تھا پورے ادب و احترام سے اب نئے مزارات میں رکھا اور توپوں کی گرج، فوجی بینڈوں کی گونج اور اللہ اکبر کے فلک شگاف نعروں کے درمیان اسلام کے یہ دونوں زندہ شہید سپرد خاک کر دیئے گئے۔

دوسرے دن بغداد کے سینماؤں میں اس واقعہ کے فلم دکھائے

گئے جس میں کندھا دینے والوں میں عثمان صاحب بھی کئی بار نظر پڑے مگر میں خود کو ڈھونڈتی ہی رہ گئی۔ عورتوں کے ہجوم میں کچھ پتہ نہ چلا۔ خیر اس سے کیا ہوتا ہے۔ حقیقت یہ ہے کہ ہم دونوں اپنی خوش قسمتی پر ہمیشہ نازاں رہیں گے۔

اب تک بزرگوں کی زبانی سُنا ہی سُنا تھا اور کتابوں میں پڑھا ہی پڑھا تھا کہ فلاں بزرگ نے ایسا وعظ دیا کہ بے شمار کافر مسلمان ہو گئے۔ اور فلاں بزرگ نے مناظرہ میں ایسا سماں باندھا کہ بے شمار نصرانی اور یہودی دولتِ ایمان سے مالا مال ہو گئے وغیرہ وغیرہ۔ لیکن یہ بھی ہم نے اپنی ان گنہگار آنکھوں سے دیکھ لیا کہ اس واقعہ کے فوری بعد بغداد میں عجب کھلبلی مچ گئی اور بے شمار یہودی اور نصرانی خاندان بلا کسی جبر کے اپنے جہل و گمراہی پر افسردہ، اپنے گناہوں پر نادم۔ ترساں و لرزاں جوق در جوق مسجدوں میں قبولِ اسلام کے لیے آتے تھے۔ اور مطمئن مطمئن شاداں و فرحاں واپس جاتے تھے۔

اس موقعہ پر مشرف بہ اسلام ہونے والوں کی تعداد اتنی تھی کہ ان کا اندازہ لگانا آسان نہیں۔
